

سنت اہل بیتؑ کی حجیت آیہ تطہیر اور حدیث ثقلین کی روشنی میں

<"xml encoding="UTF-8?">



بسم اللہ الرحمن الرحیم
سنت اہل بیتؑ کی حجیت آیہ تطہیر اور حدیث ثقلین کی روشنی میں
فدا حسین حلیمی (بلتستانی)
پیشکش : امام حسین علیہ السلام فاؤنڈیشن

رسول گرامی اسلامؐ کی سنت متفقہ طور پر تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاتباع اور حجت ہے لیکن بات اہل بیت نبوتؑ کی سنت کے ہماری اُپر حجت ہونے یا نہ ہونے میں ہے کیونکہ جب تک انکی سنت کی حجیت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک شرعاً اور عقلاً انکی پیروی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مفسیریں حضرات نے کم بیش آیہ (تطہیر) (مباہلہ) (اولی الامر) (کونوا مع الصادقین) (لن ینالو العهد الظالمین) اور حدیث (ثقلین) (سفینہ) (امان) کی ذیل میں معصومینؑ کی علمی مقامات انکی عصمت اور حجیت سنت کے متعلق بحث کی ہیں۔ لیکن ہم اپنے اس مختصر مقالے میں سنت اہل بیت نبوتؑ کی حجیت کو صرف آیت تطہیر اور حدیث ثقلین کی روشنی میں بحث کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس مذکورہ آیت اور حدیث شریف کی روشنی میں انکی حجیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ اصل موضوع کے متعلق بحث چھڑنے سے پہلے چند اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ اہلبیت اطہار : اہل بیت اطہار سے مراد چودہ معصومینؑ ہیں اور نفس نفیس پیغمبر اکرمؐ سردار اہل بیتؑ ہیں۔ لیکن جب (اہل بیتؑ) کو رسولؐ یا نبوتؑ کی طرف اضافہ کرے تو اسے مراد بارہ ائمہ اور حضرت زہرا کی ذوات مقدسہ مراد ہیں۔

۲۔ سنت : سنت عبارت ہے قول و فعل اور تقریر معصومؑ اس تعریف میں سنت کی تین قسموں کی جانب اشارہ ہے۔ سنت قولی یعنی گفتار معصوم اور سنت فعلی یعنی وہ عمل جسے معصوم نے انجام دیا اور سنت تقریر معصومؑ یعنی معصوم کی تائید جسے ہم دوسروں کے اعمال پر امام معصوم کے سکوت سے سمجھتے ہیں۔

اہل سنت سنت کی تعریف میں لکھتے ہیں: قول النبیؐ (وفعلہ و تقریرہ)۔ وہ قول و فعل و تقریر جو نبی سے صادر ہو۔

۳۔ حجیت: حجیت سے مراد (منجز اور معذر) ہونا ہے۔ منجز سے مراد یہ ہے کہ اگر سنت کسی حکم کو ثابت کرے تو اسے انجام دینا واجب اور عمداً ترک کرنے کی صورت میں مستحق عقاب ہو گا۔ اور معذرت سے مراد یہ ہے کہ اگر سنت کسی حکم کے ثابت نہ ہونے پر دلالت کرے تو اگرچہ وہ حکم واقعاً ثابت ہی کیوں نہ ہو اسے معذور سمجھا جائے گا اور حکم واقعی کی مخالفت کرنے کی بنا اسے عذاب کرنا قبیح سمجھا جائے گا۔

الف: آیت تطہیر اور عصمت و حجیت اہل بیتؑ:

اس آیہ مبارکہ سے درجہ ذیل اہم نکات استفادہ ہوتی ہیں۔

۱: کلمہ (اِنَّمَا) عربی لغت میں قوی ترین ادات حصر شمار ہوتا ہے اس کے ذریعے حکم کو یعنی (طہارت) کو موضوع کے ساتھ یعنی (اہل بیت اطہارؑ) منحصر کر دیا ہے۔

۲: کلمہ (رجس) سے مراد لغت میں پلیدی اور ہر وہ آلودہ کردار جو تنقّر، عذاب، شک، عقاب کا باعث بنتا ہے (مفردات راغب: مادہ رجس کا مراجعہ کریں) چونکہ کلمہ رجس کا متعلق حذف ہوا ہے اور ساتھ میں الف ولام استغراق بھی داخل ہوئی ہے جو جنس اور طبیعت رجس کے نفی ہونے کا فائدہ دیتا ہے؛ اس کے علاوہ جملہ (ویطہرکم تطہیراً) بطور تاکید لے کے آیا ہے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ (لیذہب عنکم الرجس) ہر قسم کی معنوی آلودگی اور گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ؛ ان تمام پلیدیوں کو نفی کیا ہے پس پروردگار عالم نے ارادہ کیا ہے کہ اہل بیت اطہار کو ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک رکھا جائے کہ جس کا لازمہ عصمت ہے۔

۳: (اِنَّمَا یرید اللہ...) میں ارادہ سے مراد دو قرینے کی بنیاد پر ارادہ تکوینی ہو سکتا ہے ارادہ تشریعی نہیں ہو سکتا۔

پہلا قرینہ: ارادہ تشریعی کا متعلق غیر کا فعل ہوتا ہے جو اس غیر کے اختیار اور ارادہ سے انجام پاتا ہے؛ جیسا کہ ارادہ الہی تشریعی مکلف کے روزہ رکھنے، زکوٰۃ دینے، حج بجا لانے وغیرہ سے تعلق لیا ہے۔ اب ان تمام امور میں ارادہ کرنے والے کی ارادہ اور جس فعل کا ارادہ کیا ہے اس فعل کے درمیان کسی غیر کا ارادہ واسطہ قرار پایا ہے جب تک غیر اس فعل کو انجام نہ دے اس وقت تک اس فعل کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ ارادہ تکوینی کا متعلق خدا کا اپنا فعل ہوتا ہے کسی غیر سے کوئی ربط نہیں ہوتا لہذا پروردگار عالم حب بھی ارادہ کر لے اسی وقت وہ فعل بغیر کسی تاخیر کے وجود میں آتا ہے چونکہ ارادہ الہی یہاں پر علت تامہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں بھی ارادہ الہی (اذہاب الرجس) یعنی ہر قسم کی آلودگیوں کو دور کرنے سے تعلق لیا ہے جو کہ خدا فعل ہے کس اور کا فعل نہیں۔

دوسرا قرینہ: اگر اس ارادے سے مراد تشریعی ہو تا تو ارادہ تشریعی کو کسی خاص یعنی (اہل بیت اطہار) کے ساتھ اختصاص دینے کا کوئی معنی نہیں رکھتا چونکہ ارادہ تشریعی تمام مکلفین کو شامل کرتا ہے؛ اور لا محالہ تمام انسانوں کو پاک رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ لہذا حصر اور تاکید معنی نہیں رکھتا؟ جسکی طرف پہلے اشارہ ہوا ہے۔

پس پروردگار عالم نے ارادہ تکوینی (جس کو کن فیکن سے تعبیر کیا جاتا ہے) کیا ہے کہ اہل بیت اطہار سے ہر قسم کی مادی اور معنوی آلودگیوں کو دور رکھا جائے۔

۴: اہل بیت اطہار سے مراد کون افراد ہیں؟

فریقین کی تاریخ، تفسیر؛ اور حدیث کی کتابوں دسویں روایات آیہ تطہیر کی ذیل میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں جن میں آنحضرتؐ اہل بیت اطہار سے مراد: رسالت مآب؛ علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ مراد ہیں اور یہ آیہ مبارکہ انہی ذوات مقدسہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

جیسا کہ محمد بن مسلم نے صحیح مسلم میں جناب عائشہ سے (حدیث نمبر ۶۱/۲۲۲۴) اور جناب ترمذی نے سنن میں عمر بن ابی سلمہ اور ام سلمہ سے (حدیث ۳۸۷۵-۳۷۹۳) اس حدیث کو نقل کیا ہے؛ ام سلمہ کہتی ہے: پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں؛ خصوصیت کے ساتھ تین مرتبہ فرمایا: اللہم بؤلاء اہل بیتی و خاصتی فأذهب عنهم الرجس و طہرہم تطہیرا قالہا ثلاث مرات، پروردگارا! یہ میرے اہلبیتؑ اور خاص افراد ہیں؛ ان سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرما! فقلت: یا رسول اللہ ألسنت من اہل البیت؟ میں عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا

میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فقال: إنک إلی خیر أنت من أزواج رسول اللہ: فرمایا تم اچھائی پر ہو تم رسول اللہ کی زوجہ ہو۔ (کبیر مدنی، سید علی خان بن احمد، ریاض السالکین فی شرح صحیفۃ سید الساجدین، 7جلد، دفتر انتشارات اسلامی - ایران؛ قم، چاپ: اول، 1409ق (تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 455)۔ اسی طرح جناب طبرانی نے المعجم الکبیر ج 3/ ص 53/ حدث نمبر / 3612 میں ام سلمہ اور حدیث نمبر / 1712 میں انس بن مالک اور حدیث نمبر / 3712 میں ابوسعید خدری سے گزشتہ مضامین میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

جبکہ جناب سیوطی (الدرر المنثور ج 5/ ص 991 میں ابن عباس اور ابو الحمراء دونوں سے اضافہ کرتے ہوئے اس طرح نقل کیا ہے: کان رسول اللہ ص یجیء عند کل صلاة فجر- فیأخذ بعضادة ہذا الباب، ثم یقول: السلام علیکم یا اہل البیت و رحمة اللہ و برکاتہ: کہ پیغمبر اکرمؐ نو مہینہ تک جب بھی نماز صبح کے لیے مسجد تشریف فرماتے تھے تو پہلے سیدہؑ کے دروازے پر جاتے اور دستک دینے کے بعد فرماتے: السلام علیکم یا ہل البیت ورحمة اللہ۔۔۔ اور پھر آیت تطہیر کی تلاوت کرتے (شواہد التنزیل لقواعد التفضیل / ج 2/ ص 74 و 44) اب فریقین کے برجہ ترین علماء نے اتنی ساری روایات مختلف راستوں سے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کے بعد اورام المومنین ام سلمہ کو عملاً آیت تطہیر کی دائرے سے نکال کر اس آیہ مبارکہ کی مصداق کو پنچتن پاک کے ساتھ حصر کرنے کے بعد وحدت سیاق سے تمسک لینا یا امہات المومنین کو اہل بیت اطہارؑ کے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی کوئی معنی رکھتا ہے؟

ب: حدیث ثقلین اور عصمت اہل البیت اطہارؑ:

یہ حدیث فریقین کے درمیان متواتر ہے جسے 36 صحابیوں نے نقل کیا ہے 11 شیعہ محدثین کے علاوہ 180 علماء اور محدثین اہل سنت نے اسے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے؛ جن مشہور اصحاب نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، ان میں: ابو سعید خدری، ابوذر غفاری، زید بن ارقم، زید بن ثابت، ابورافع، جبیر بن مطعم، یاخذیفہ، ضمہرہ اسلمی، جابر بن عبد اللہ انصاری اور ام سلمہ قابل ذکر ہیں؛ اور وہ حدیث یہ ہے: قال رسول اللہؐ کأنی دعیت فأجبت- و إنی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ عز و جل و عترتی اہل بیتی۔۔۔۔ فانظروا کیف تخلفونی فیہما: میں تمہارے درمیان دو یادگار گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، قرآن مجید اور میرے اہل بیت (ع)۔ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچ جائیں پس تم ان کا خیال رکھنا اور دیکھنا تم میری وصیت کا ان کے بارے میں کس قدر لحاظ رکھتے ہو۔ (صحیح مسلم حدیث / 2480) (صحیح ترمذی حدیث / 3792) (مستدرک الصحیحین ج 3/ ص 148)

جبکہ بعض کتابوں میں اس حدیث شریف کو اس اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے:۔۔۔ فلا تقدموہما فتلکوا و لا تعلموہما فإنہما أعلم منکم۔ (المعجم الکبیر ج 3/ ص 218) (الصواعق المحرقة ج 9/ ص 135 باب وصیۃ النبیؐ)

ان دونوں سے آگے جانے کی کوشش مت کرو ہلاک ہوجاؤ گے اور نہ ہی انہیں سکھانے کی کوشش کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں: دلچسپ بات ہے کہ مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو مختلف مواقع پر لوگوں کے سامنے بیان فرمایا ہے: "جابر بن عبد اللہ انصاری" کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے سفر حج کے دوران عرفہ کے دن اس حدیث (ثقلین) کو بیان فرمایا۔ "عبد اللہ بن خطب" کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے اس حدیث کو سرزمین جحفہ (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے جہاں سے بعض حجاج احرام باندھتے ہیں) میں بیان فرمایا ہے۔ "ام سلمہ" روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت نے اس حدیث کو غدیر خم میں بیان فرمایا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بستر علالت پر بیان فرمایا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے یہ حدیث مدینہ منورہ میں منبر پر بیان فرمائی ہے۔ حتیٰ اہل سنت کے ایک مشہور عالم "ابن حجر" اپنی کتاب "صواعق المحرقہ" میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد حضرت علیؑ کے ہاتھ کو پکڑ کر انہیں بلند کیا اور فرمایا: "یہ علی (ع) قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی (ع) کے ساتھ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدانہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر کے پاس مجھ سے آملے: (صواعق المحرقہ ج/۹ ص/۱۳۵ باب وصیۃ النبیؐ)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ پر ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے بار بار تاکید فرمائی ہے اور اس قطعی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا ہے تا کہ اسے کبھی فرا موش نہ کیا جائے۔ :

قرآن و عترت کو ثقلین سے تعبیر کرنے کی وجہ:

اہل سنت کے برجستہ عالم دین جناب ابن حجر بیہمی اس نکتے کے بارے میں کہتا ہے: رسول خداؐ نے قرآن اور عترت کو ثقلین ہے اس لیے تعبیر کیا ہے کیونکہ لفظ (ثقل) عربی زبان میں کسی قیمتی، نفیس اور گران بہا چیز کو کہا جاتا ہے جبکہ قرآن اور عترت ایسے ہیں چونکہ قرآن اور عترت دونوں معدن علم لدنی، اسرار حکمت الہی، اور منبع احکام شریعت ہیں؛ اسی لیے پیغمبر اکرمؐ نے اہل بیت اطہارؑ سے تمسک لینے اور ان سے علم و دانش سیکھنے پر اصرار کیا ہے؛ اور یقیناً عترت اہل بیتؑ جن سے تمسک لینے کا حکم دیا گیا ہے صرف وہ افراد ہی جو قرآن و سنت کے متعلق وافی علم رکھتے ہیں چو نکہ یہ وہی افراد ہیں جو قیامت تک قرآن سے جدا نہیں ہوں گے اور اس حقیقت پر دلیل؛ حدیث کی ذیل میں وہ جملہ ہے جس میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں (و لا تعلموہما فإنہما أعلم منکم):

تم انہیں سکھانے کی کوشش مت کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں؛ اور اسی بنا پر وہ لوگ اس امت کے دیگر علماء پر امتیاز رکھتے ہیں؛ اور پروردگار عالم نے ان سے ہر قسم کی پلیدی اور ناپاکی کو دور رکھا ہے؛ چنانچہ عترت اطہار جن سے تمسک لینے کا حکم دیا ہے ان میں برجستہ ترین فرد علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں: (صواعق المحرقہ ج/۹ ص/۱۳۵ اور ص/۹۰)

اسی طرح جناب ابن اثیر اس بارے میں کہتا ہے: قرآن و عترت کو ثقلین سے تعبیر کرنے کا مقصد صرف انکی قدر و منزلت کو بتانے کے لیے تھا (ابن اثیر؛ النہایۃ؛ نقل از لسان عرب لابن منظور؛ مادہ ثقل) پس معلوم ہوا ثقلین سے تعبیر قرآن و عترت کی مقام و منزلت کو بیان کرنے کے لیے تھا؛ اب یہ دیکھنا ہوگا انکا

جس طرح ابن حجر بیہمی نے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے: (و لا تعلموہما فإنہما أعلم منکم : تم انہیں سکھانے کی کوشش مت کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں؛) کہ قرآن و عترت دونوں معدن علوم لدنی ؛ اللہ کی حکمتوں کا اسرار ؛ اور منبع احکام شریعت ہیں ۔ لہذا جس طرح قرآن تمام دینی امور میں علمی اور عملی مرجع اور قطعی سند ہے اسی طرح عترت طاہرہؑ کی قول و فعل اور تقریر ہمارے لیے علمی مرجع اور قطعی سند ہونا چاہیے ؛ اور مسلمانوں کو ہر گز ان دو چیزوں کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے ، بالخصوص اس قید و شرط کے ساتھ جو بہت سی روایتوں میں مذکور ہے : " اگر ان دو چیزوں کا دامن نہ چھوڑو گے تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے " اس سے یہ حقیقت تا کیداً ثابت ہو تی ہے۔ چنانچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اہل بیت اطہارؑ مجتہدین میں سے نہیں جو اپنے حدس و گمان پر اجتہاد کرتے ہوں اور اس اجتہاد کی روح سے اختلافِ فتویٰ کا

شکار ہوں پھر یہ فتوے ان مقلدین کے لئے حجت ہوتے ہوں جنکے نزدیک مجتہد کے شرائط اجتہاد محرز ہوں ۔
 بلکہ مکتب اہل بیت علیہ السلام کے پیروکاروں کے نزدیک اہل بیت اطہار علم لدنی کے مالک اور الہی احکامات کے حقیقی مبلغ ہیں وہ جو احکام جو گذشتہ معصوم سے ان تک پہنچے ہیں چنانچہ امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں : علمنی رسول اللہ ألف باب من العلم یفتح لی من کل باب ألف باب . رسول خداؐ نے مجھے علم کے ہزار باب سکھا دے ہر باب سے ایک ایک لاکھ علم کے دروازے میرے اُپر کھل گئے ۔ (مناقب آل ابی طالب ؛ ابن شہر آشوب ؛ ج ۲/ ص ۳۴)

اسی طر صحابی جلیل جابر بن عبد اللہ انصاری کہتا ہے میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے عرض کیا اے فرزند رسولؐ آپ جب بھی میرے لیے کوئی حدیث نقل کرے تو اس کی سند بھی ساتھ مجھے بتا دیں : عن جابر قال قلت لأبی جعفر محمد بن علی الباقر ع إذا حدثتني بحديث فأُسندُه لی فقال حدثنی أبی عن جدی عن رسول اللہ ص عن جبرئیل ع عن اللہ عز و جل و کل ما أحدثک بهذا الإسناد و قال یا جابر لحديث واحد تأخذه عن صادق خیر لک من الدنيا و ما فیہا: امام نے فرمایا میرے بابا نے مجھے میرے جد سے اورب انہوں نے رسول خداؐ سے اور انہوں نے جبرئیل سے اور انہوں نے رب العزت سے روایت کی ہے اور جو بھی تیرے لیے روایت کرتا ہوں اسی سند کے ساتھ نقل کرتا ہوں ؛ اور فرمایا اے جابر ایک حدیث جو تم صادق سے دریافت کرتے ہو وہ تمہارے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے (الأمالی ؛ مفید/ نص / 42 / مجلس ۵)

اسی طرح بڑے بڑے اصحاب نے صادق آل محمدؑ سے اس طرح نقل کیا ہے کا آپ فرماتے تھے : حدیثی حدیث أبی، وحدیث أبی حدیث جدی، وحدیث جدی حدیث الحسین، وحدیث الحسین حدیث الحسن، وحدیث الحسن حدیث أمیر المؤمنین، وحدیث أمیر المؤمنین حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ، و حدیث رسول اللہ قول اللہ عز وجل) أی لیس فتیاناً وقضاؤناً عن اجتہاد ورأی، أو یجوز نسبة حدیث کل منا إلی الآخرین فی زمن التقیة ونحوہا۔ میری حدیث میرے بابا کی حدیث اور انکی حدیث میرے جد کی حدیث اور میرے جد کی حدیث امام حسینؑ کی حدیث اور انکی حدیث اور انکی حدیث امام حسنؑ کی حدیث اور انکی حدیث امر المؤمنینؑ کی حدیث اور انکی حدیث رسول خداؐ کی حدیث اور رسول خداؐ کی حدیث خدا کا قول ہے ؛ یعنی ہم جو احکام اور مسائل بیان کرتے ہیں وہ حدس و گمان اور اجتہاد پر مبنی نہیں ہوتے اور نہ ہی ہم میں سے کسی ایک کے تقیہ اور تقیہ جیسے موارد میں بتائے ہوئے حدیث کو کسی دوسرے کی طرف نسبت دینا جائز ہے ۔ (ابن حجر عسقلانی؛ تہذیب التہذیب ؛ ج ۲/ ص ۹۹۴) اور (الشافی فی شرح الکافی (للمولیٰ خلیل القزوینی) / ج 1 / ص 445)

پس ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پیغمبر اکرمؐ کی احادیث ہمارے لیے حجت ہیں اسی طرح اہل بیت اطہارؑ کی احادیث بھی حدیث نبی ہونے کے اعتبار سے ہمارے اُپر حجت ہیں ۔

ج: عصمت اور حجیت میں ملازمہ

عصمت ایک ایسی اندرونی طاقت ہے جو درحقیقت تقوای الہی ؛ تسلط بر نفس ؛ اور عمیق ادراک (جناب ابن حجر ہیثمی کے بقول علم لدنی) سے وجود میں آتی ہے ؛ چونکہ معصومؑ اپنے دل کی آنکھوں سے جہان رنگ و بُو کے باطن اور ملکوتِ عالم کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ اور اس ذریعہ سے معارف و حقیقی علوم حاصل کرتا ہے ۔ لہذا جب واقعات کا ادراک اس طرح کرتا ہے حواس کے واسطہ سے نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اسکے یہاں خطا و اشتباہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ در اصل خطا اور اشتباہ اور لغزشیں ؛ جہل و نادانی اور صورت ذہنی کو خارج میں تطبیق دینے میں ہوتی ہے

اور جب انسان ڈایرکٹ حقیقتوں کے درمیاں ہوتا ہے اور اپنی باطنی قوت سے حقیقتِ ہستی سے رابطہ پیدا کرتا

ہے تو وہاں خطا و اشتباہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور یہی آگاہی اور بینش ہی غیبی احاطہ کا نتیجہ ہے جو انسان کو ہمیشہ خطا و اشتباہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخص قبیح اعمال کے برے نتائج اور خسارتوں سے بخوبی واقف ہو اور اطاعت مولیٰ کا جذبہ اسکے اندر بہت زیادہ ہو اور تقوا کی چوٹی پر فائز ہو تو ایسے شخص کے اندر یہ خود حفاظتی قدرت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ کرنا الگ وہ گناہ کا تصور بھی نہیں کرتا۔ لہذا معصوم کی عصمت، رفتار، گفتار اور افکار سب میں ہوتی ہے اور اسکی بنیاد علم غیب ہے جو کی عطیہ الہی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ تقویٰ اور ایمان کامل کا لازمہ عصمت ہے اور جب بندہ ایمان کے آخری مراحل میں داخل ہوتا ہے اور ظلمات کے سارے مراحل کاٹنے کے بعد جب نور الہی میں محو ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے سے ظلمانی اور نورانی پردے ہٹ جاتے ہیں اور نفسِ انسانی عین یقین کے مرحلے تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس مرحلے میں یقین کے ذریعے ہر چیز کا اصل حقیقت کشف ہوتی ہے اور کوئی شئی غیر معلوم نہیں رہ جاتی بلکہ صدر صد واقع کے مطابق پائے گا؛ لہذا جب عصمت اس مرحلے تک پہنچ جائے (جس تک رسائی ایک عام آدمی کے لیے ممکن نہیں اگر چہ عصمت کے ایک مرحلہ کا تحصیل ممکن ہے) تو یہ عصمت خود بخود اس انسان کے تمام افعال اور اقوال میں حجّیت لے آتی ہے۔

آخر میں درگاہ ازدی میں دست بستہ دعا ہے کہ پروردگارا ہم سب کو ثقلین طاہرہ سے صحیح معنوں میں تمسک لینے کی توفیق عطا فرمائیں آمین!